عمران خان، پاکستان اور ملتِ اسلامیہ

(کبیر علی)

عمران خان و اینٹی عمران قطبیت (Polarization) مکمل ہو گئی ہے اور اب یہ مسئلہ محض ایک سیاسی مسئلے کے بجائے پاکستان کا وجودی مسئلہ بن گیا ہے۔ یعنی مسئلہ صرف یہ نہیں رہا کہ پاکستان کو چلانے کے لیے کس طرح کا نظام ہونا چاہیے بلکہ مسئلہ اب یہ ہو گیا ہے کہ پاکستان کو پورے قد سے کھڑے ہونا بھی چاہیے یا نہیں؟ کیا اس کے عوام کو اپنے آدرشوں اور آرزوؤں کی بجا آوری کے لیے کوئی کوشش کرنی چاہیے یا خود کو طوفان کے تھپیڑوں کے سپرد کر کے، ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا چاہیے؟ خودداری اور غلامی میں سے کسی ایک کے انتخاب کا فیصلہ کن مرحلہ ہمیں درپیش ہے۔

پس منظر

پاکستان برصغیر کے عام مسلمانوں کی اجتماعی آرزومندی اور جدوجہد کا نتیجہ ہے اور اس کے قیام کے شدید مخالفین میں گاندھی، نہرو اور پٹیل کے ساتھ ساتھ شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی مسلم دشمن فکر سے لیس دیوبندی علماء بھی تھے۔ بد قسمتی سے پاکستان بننے کے بعد بھی وہابیت آمیز دیوبندیت کی مسلم دشمن فکر کی اس آکاس بیل نے برصغیر کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بھارت میں تو مولانا حسین احمد مدنی کے فکری و نسبی وارثوں کی عنایات اور ابوالکلام آزاد کی برکات سے وہاں کے مسلمانوں کی سیاسی آختہ کاری (political castration) کامیابی سے کی جا چکی ہے لیکن پاکستان میں بھی مدنی صاحب کی مسلم دشمن فکر کے وارثوں نے تاحال عامۃ المسلمین کی راہ میں روڑے اٹکانے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ پاکستان میں اس مسلم دشمن فکر کے تسلسل کو نہ تو طاقت سے مکمل طور پہ ختم کیا گیا اور نہ ہی اسے درست طریقے سے حل کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ اس فکر کے ورثاء ریاستی طاقت کے ایک مخصوص مگر مختصر حصے سے مسلسل فیضیاب ہو رہے ہیں اور جب جب سیاسی مسئلے میں شدت آتی ہے تب تب یہ وجودی سوال کو از سرِ نو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمان جب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ برصغیر کی دو سو سالہ تاریخ کے وارث ہیں تو وہ اسی مسلم دشمن فکر و عمل کے تسلسل کی بات کر رہے ہوتے ہیں جو تحریک مجاہدین سے دیوبند اور پھر وہاں سے بذریعہ مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم پاکستان پہنچی اور جس کے ایک اہم وارث مفتی محمود تھے جنھوں نے ببانگ دہل کہا تھا کہ "ہم پاکستان بنانے

کے گناہ میں شریک نہیں تھے "(اس گروہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستان بن گیا اور اب اس گروہ کی بنیادی پوزیشن یہ ہے کہ "ٹھیک ہے کہ پاکستان بن گیا ہے لیکن اگر نہ بنتا تو بہتر ہوتا")۔ پچھلے قریباً تیس سال سے مفتی محمود کے صاحبزادے یعنی مولانا فضل الرحمان اس مسلم دشمن فکر و عمل کے علمبردار ہیں۔ پی ڈی ایم میں شامل دیگر چھوٹی جماعتوں میں سے کچھ تو پاکستان بیزاری کی ایک باقاعدہ تاریخ رکھتی ہیں اور باقیوں کے لیے پاکستانی مفاد اولین ترجیح نہیں ہے اور اسی وجہ سے یہ اتحاد ممکن ہو پایا۔

پی ڈی ایم میں شامل دونوں بڑی جماعتیں یعنی مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی یقیناً پاکستان بیزار نہیں ہیں البتہ یہ ضرور چاہتی ہیں کہ اس ملک کے تمام تر وسائل ان کے رہنماؤں کے لیے وقف رہیں اور اس مقصد کے لیے پاکستانی عوام کی جان، مال، عزت نفس، مفاد، اور مستقبل کی قربانی کو وہ بالکل جائز سمجھتی ہیں۔ اور اگر اس قربانی کو کوئی روکنے کی کوشش کرے تو یہ غضبناک ہو کر وہی زبان بولنے لگتی ہیں جو مولانا فضل الرحمان اور دیگر پاکستان بیزار جماعتیں بولتی ہیں۔ یہی وہ اشتراک ہے جس کی بنا پر ان دونوں بڑی جماعتوں کا مولانا فضل الرحمان کی جماعت کے ساتھ اتحاد ممکن ہو سکا۔

عمران خان؛ عامۃ المسلمین کی امیدوں کا مرکز

نیولبرل ورلڈ آرڈر میں مقامی ریاست کا کام یہ رہ گیا ہے کہ وہ عالمی سرمائے کے نفوذ اور تیز تر بہاؤ میں معاونت کرے، اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو ادارہ جاتی طاقت سے دور کرے اور جنس و سرمائے کی پیداوار کے عمل کے دوران جو ناپسندیدہ کوڑا کرکٹ پیدا ہو اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لے۔ ظاہر ہے اس ورلڈ آرڈر میں نقصان عوام کا ہوتا ہے اور فائدہ عالمی اشرافیہ کا۔ عمران خان نے عالمی سرمائے کے بالمقابل پاکستان عوام کے مفاد کے تحفظ کی کوشش کی اور یہ 'چوں چراں' عالمی سرمائے کو ناگوار گزری، جس پر عالمی ریاست حرکت میں آئی اور اس 'چوں چراں' کا سدِباب کیا گیا۔

عمران خان عالمی ریاست و سرمائے کی اس کھلی مداخلت پہ خاموش نہیں بیٹھا اور مختلف تاریخی، مذہبی، فکری اور rhetorical وسائل کو استعمال کر کے پاکستانی عوام کے سامنے ایک نہایت ولولہ انگیز مقدمہ پیش کرنے میں کامیاب رہا۔ نواز شریف کے ہٹنے کے بعد پاکستانی عوام کھڑے نہیں ہوئے تھے، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے مجمعوں سے خطاب کرتے کرتے نواز شریف کا گلا بیٹھ گیا۔ جبکہ عمران خان کے ہٹائے جانے کے بعد 10 اپریل کی شام کو، عمران خان کی غیر موجودگی کے باوجود، پاکستان بھر میں عوام اس قدر

شدتِ جذبات کے ساتھ باہر نکلے کہ خود عمران خان بھی اس کی توقع نہ رکھتے تھے (ان دونوں صورتوں میں عوام کے متضاد ردِ عمل میں واضح نشانیاں ہیں)۔ عوام کے اس بے ساختہ، فوری اور نامیاتی ردِ عمل نے اگلا سیاسی لائحہ عمل طے کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اب ایک کے بعد ایک تاریخی جلسوں سے یہ بات تو بالکل صاف ہو ہی گئی ہے کہ اس وقت عمران خان پاکستانی عوام کی امیدوں کا واحد مرکز بنے ہوئے ہیں لیکن اگر سوشل میڈیا پر باقی دنیا کے مسلمانوں کے ردِ عمل کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کے لیے بھی عمران خان خودداری اور ملی غیرت کی علامت ہیں۔

عمران خان کا مقدمہ: مسلم نیشنلزم

جدید دنیا میں طاقت کا کوئی بھی بندوبست قومی ریاست (Nation-State) سے ہٹ کر متصور نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی تہذیب جو اپنے ورلڈ ویو کی بقا اور فروغ کی آرزومند ہو، اُسے لازماً طاقت کے سوال کا جواب دینا ہو گا اور یہ جواب اپنی تمام ممکنہ صورتوں میں لازماً نیشن اسٹیٹ سے معاملہ کرنے پر مجبور ہو گا۔ اقبالؒ نے نیشنلزم اور نیشن اسٹیٹ کے تمام مضمرات اور مسائل سے بخوبی واقفیت رکھتے ہوئے مسلمانوں کے لیے اس میں راستہ نکالا جو الحمدللہ پاکستان کی صورت میں ایک تاریخی حقیقت بنا۔ اور آج جب سیاسی سوال، وجودی سوال میں ڈھلا تو عمران خان نے بھی نظریہ پاکستان یعنی مسلم نیشنلزم ہی کو آواز دی۔ اقبالؒ نے کانٹے کے اس لمحے میں نیشنلزم کے مسئلے میں سے اس طرح راستہ نکالا کہ برصغیر کے مسلمان کو نہ صرف یہ کہ اپنے مسلمان ہونے سے دستبردار نہیں ہونا پڑا (کانگریس اور کانگریس کے ہمنوا مولانا حسین احمد مدنی اور ابوالکلام آزاد اسی دستبرداری پر اصرار کر رہے تھے) بلکہ عین اسی مسلمانیت کو اقبالؒ نے فکر و عمل کی بنیاد بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی پاکستان کے مسلمانوں میں قومی ریاست کی حدبندیوں سے کہیں آگے دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ ملی وحدت کا ایک توانا جذبہ موجود ہے۔ مسلم نیشنلزم کا یہی مقدمہ ہے جس کی وجہ سے عمران خان نا صرف پاکستانی عوام کی امیدوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں بلکہ کشمیر، فلسطین کے مسلمانوں کی حمایت اور اسلاموفوبیا کی مذمت کے نتیجے میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں بھی جذبے کی ایک آنچ جگائے ہوئے ہیں۔

مقدمے کی تقویت کے وسائل

مسلم نیشنلزم یا پاکستان کے اس مقدمے کی تقویت کے لیے عمران خان بعض ایسے تاریخی، مذہبی اور فکری وسائل کو بروئے کار لائے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔ تاریخی وسائل میں ٹیپو سلطان شہیدؒ، سراج الدولہؒ، جنگ آزادی 1857ء، اقبالؒ، قائد اعظمؒ، دو قومی نظریہ، قراردادِ پاکستان 1940ء، اور قیامِ پاکستان شامل ہیں۔ اس طرح مولانا فضل الرحمان کے دو سو سالہ مسلم دشمن تاریخی تسلسل کے جواب میں عمران خان ڈھائی سو سالہ تاریخی تسلسل کو سامنے لاتے ہیں جو مسلم مفاد کی حفاظت کا علمبردار رہا ہے۔ اپنے مخالفین کو لارڈ کلائیو، میر جعفر اور میر صادق کا تسلسل بتا کر وہ موجودہ سیاسی صورتحال کو ایک وسیع تر تہذیبی پس منظر فراہم کر رہے ہیں۔ مذہبی وسائل میں وہ مختلف احادیثِ مبارکہ، خلفائے راشدین کے اقوال اور صدرِ اول کی تاریخ سے مختلف حوالے لاتے ہیں۔ نعرہء تکبیر، نعرہء رسالت، نعرہء حیدری تو مسلمانوں کے قدیمی نعرے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" کا نعرہ تھا اور اب عمران خان نے 'ایاک نعبد وایاک نستعین' کو بھی ایک نہایت کامیاب اور ولولہ انگیز نعرہ بنا دیا ہے۔ وہ بار بار اپنی تحریک کو تحریکِ پاکستان سے تشبیہ دیتے ہیں۔ "لے کے رہیں گے آزادی" کا نعرہ پاکستان کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے لگا تھا، عمران خان نے آزادی کے اس نعرے میں "حقیقی" کا لفظ شامل کر کے تاریخی تسلسل حاصل کرنے کی کوشش کی ہے نیز یہ واضح کیا ہے کہ پہلا نعرہ پاکستان کے وجود کا باعث بنا تھا تو دوسرا نعرہ اس کی ترقی و مضبوطی کا ضامن ہو گا۔ فکری وسائل میں وہ مابعد نو آبادیاتی مطالعات کو استعمال کر رہے ہیں جو بجائے خود ایک نہایت خوش آئند بات ہے۔ ہماری یہ بد قسمتی رہی ہے کہ جدید-استعماری عمل سے جو شعور ہمارے ہاں پیدا ہوا وہ استعمار کے بالمقابل بالکل اندھا ہے اور استعمار کی واقعیت تک سے انکاری ہے۔ عمران خان کم از کم اس حوالے سے ہمارے محسن ہیں کہ انھوں نے لاکھوں لوگوں کے سامنے اپنی تقریروں میں استعمار اور نو استعماریت کو واضح کیا ہے، مثلاً اٹک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"دو قسم کی غلامی ہے۔ ایک کو کہتے ہیں کالونیلزم۔ جس میں ایک ملک آپ کو فتح کر کے آپ پر حاوی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ انگریز کی غلامی تھی۔ اور میرے پاکستانیو اور نوجوانو! دوسری کو کہتے ہیں نیو کالونیلزم۔ یعنی فتح کیے بغیر آپ کو غلام بنا لیتے ہیں۔ ہماری بد قسمتی ہے کہ جب سے ہم آزاد ہوئے اور جب سے ہمارا لیڈر قائد اعظمؒ رخصت ہوا جو ایک غلام ہندوستان میں ایک آزاد انسان تھا، جو میرا

لیڈر تھا اور جسے ہم ہمیشہ لیڈر مانیں گے۔ جو ایماندار اور دلیر تھا، آزاد تھا اور خوددار تھا۔ اس کے بعد سے کبھی بھی ہم نے آزاد فارن پالیسی نہیں بنائی۔ صرف بھٹو نے کچھ کوشش کی تھی۔۔۔ الخ"

کالونیلزم اور نیو کالونیلزم کو اس طرح عوامی جلسوں میں زیر بحث لانے کو میں نہایت غیر معمولی کام سمجھتا ہوں۔ ہماری سیاسی تاریخ جو بھی کروٹ لے مگر عمران خان کی یہ کاوش ان شاء اللہ ضرور مفید ثابت ہو گی۔

جامع اپروچ

جہاں عمران خان نے دونوں بڑی جماعتوں کے لاکھوں ووٹرز کو توڑا، وہیں وہ پاکستان کی اہم سیاسی جماعتوں سے ان کے بنیادی نعرے چھیننے میں بھی بہت حد تک کامیاب رہا ہے مثلاً پاکستان پیپلز پارٹی پرولتاریہ نواز ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے۔ عمران خان نے احساس پروگرام، کسانوں پہ خصوصی توجہ، پٹرولیم مصنوعات پہ سبسڈی، کرونا کے دوران پرو-مزدور پالیسی، صحت کارڈ کے اجراء، اور اسی طرح کے دیگر اقدامات کے ذریعے پرولتاریہ سیاست کے دعوے پہ پیپلز پارٹی کی انفرادیت کو چیلنج کیا ہے۔ مسلم لیگ (ن) ڈویلپمنٹ اور پرو-بزنس پالیسی کا دعویٰ رکھتی ہے تو عمران خان کی حکومت نے ٹیکسٹائل انڈسٹری کو پھر سے سہارا دیا اور سیکڑوں چھوٹے بڑے منصوبوں کے ذریعے مسلم لیگ (ن) کے دعوے کو چیلنج کیا ہے۔ جمعیت علمائے اسلام (ف) اور دیگر بہت سی مذہبی جماعتیں مذہب کے نام پہ سیاست کرتی ہیں۔ عمران خان نے قرآن پاک کے ترجمے اور سیرت النبیؐ کی نصاب میں خصوصی شمولیت، رحمت اللعلمین اتھارٹی کے قیام، اور اقوامِ متحدہ میں اسلاموفوبیا کے خلاف مقدمہ پیش کر کے مذہبی سیاسی جماعتوں کے اس دعویٰ یکتائی (exclusivity) کو چیلنج کیا ہے کہ وہ تو مذہبی سیاسی جماعتیں ہیں اور دیگر سیاسی جماعتیں غیر مذہبی ہیں۔ اسی طرح اینٹی اسٹبلشمنٹ اور سِول سپرمیسی کا نعرہ پاکستان کی کئی چھوٹی جماعتوں اور گروہوں کا نعرہ رہا ہے لیکن پچھلے کچھ عرصے سے نواز شریف نے اس نعرے کو اختیار کر رکھا ہے اور پی ڈی ایم کے جلسوں میں بھی اسٹیج سے یہ نعرہ لگتا رہا ہے۔ عمران خان نے اپنے دورِ حکومت میں خارجہ پالیسی کے معاملات پہ اسٹبلشمنٹ کے کچھ دھڑوں کے بالمقابل اسٹینڈ لیا اور اس طرح سِول سپرمیسی کو assert کرنے کی کوشش کی۔ حکومت سے اس کے ہٹائے جانے کے بعد آنے والے ردِ عمل میں عوام نے اسٹبلشمنٹ کے کچھ دھڑوں پہ شدید بھڑاس نکالی۔ اس موقعے پہ عمران خان نے اینٹی اسٹبلشمنٹ اور سول سپرمیسی کا مقدمہ حیران کن فراست سے لڑا اور تاحال

جذباتیت سے کام نہیں لیا۔ "پاکستان کو عمران خان سے زیادہ فوج کی ضرورت ہے" ایک ایسا جملہ ہے جو فوج کو بطور ادارہ نقصان پہنچائے بغیر سِول- ملٹری طاقتی مساوات کو از سرِ نو ترتیب دینے (renegotiate) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ الغرض کئی سیاسی جماعتوں کے بنیادوں دعاوی پر عمران خان نے اپنا دعویٰ دائر کرکے ان کی یکتائی کو چیلنج کیا ہے۔

عمران خان کی جامعیت کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس نے کچھ ایسی سرگرمیاں کی ہیں جن کی بدولت پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کے شہری، بالخصوص مسلمان شہری، بھی اس کے ساتھ جڑت محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ماحولیاتی تبدیلیوں پہ مسلسل بات کرکے اور بلین ٹری سونامی پراجیکٹ کے ذریعے اس نے پاکستان کے لیے دنیا بھر سے پذیرائی حاصل کی ہے۔ اسی طرح کشمیر، فلسطین، ریاستِ مدینہ اور اسلاموفوبیا پہ اس نے بین الاقوامی فورمز پہ مسلسل گفتگو کی ہے جس کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمان اس کے ساتھ ایک ملی رشتہ محسوس کرتے ہیں جس کا اظہار ہمیں سوشل میڈیا پہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے تبصروں سے ہوتا ہے۔

اختتامیہ

پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کی طرح عمران خان بھی ایک عام مسلمان ہے۔ ایک عام مسلمان جو اعتماد کے ساتھ شلوار قمیص پہنتا ، اردو بولتا اور ہاتھ میں تسبیح رکھتا ہے۔ جو اپنی شناخت، رنگ، نسل اور مذہب کے حوالے سے کسی احساسِ کمتری کا شکار نہیں۔ جو دنیا میں غیرت اور خودداری کے ساتھ جینا چاہتا ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ اپنی جڑت کو مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ غیرت و خودداری کے اس دعوے کا ثبوت اس نے اپنے عمل (بین الاقوامی فورمز پہ امریکی جنگ میں پاکستان کی شرکت پہ افسوس، امریکہ کو اڈے دینے کے سوال پہ Absolutely Not ، یوکرین جنگ کے معاملے پہ امریکی ہدایات کے مطابق بیان دینے سے انکار وغیرہ وغیرہ) سے دے کر عوام کو اپنے ساتھ کھڑا کر لیا ہے۔ اس کے جلسوں میں ہر معاشرتی طبقے کے لوگ آتے ہیں اور حتیٰ کہ خواتین اور بچے بھی، جو ہماری سیاسی تاریخ کا ایک بالکل منفرد مظہر ہے۔ اب عمران خان کے جلسوں میں پورا پورا مجمع بہ یک آواز قومی ترانہ پڑھتا ہے اور اس کی ہر تقریر 'ایاک نعبد وایاک نستعین' سے شروع ہوتی ہے۔ یہ محض کسی سیاسی جماعت کا سیاسی عمل ہی نہیں ہے بلکہ مسلم نیشنلزم کی ایک آواز ہے جو پاکستان کے وجود کی بقا کے لیے ڈٹی ہوئی ہے اور اس سرزمین پہ اپنے قدم مضبوطی سے جما کر دنیا بھر کے مسلمانوں سے ملی رشتہ استوار کرنا چاہتی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی دعائیں، کچھ دوست ممالک کی ہمدردیاں، اور پاکستانی

عوام کی حمایت عمران خان کے ساتھ ہے، جبکہ پاکستان کی باقی تمام اہم سیاسی جماعتیں، ریاستی مشینری، غالب عسکری دھڑا، عالمی سرمایہ، اور عالمی ریاست دوسری طرف ہیں۔ اس معرکے میں ہمیں بساط بھر اپنا کردار ادا کرنا ہے اور اس کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے ہیں!